Oriental College Magazine, Vol.101, No. 02, Serial No. 380, 2025

غلام الثقلین نقوی کے افسانوی مجموعہ ”نغمہ اور آگ“ میں ۱۹۶۵ء کی جنگی صورت حال کا مطالعہ

عتیق الرحمٰن

پی ایچ ڈی اسکالر (اُردو)، غازی یونی ورسٹی، ڈیرہ غازی خان

محمد سَید علی، پی ایچ ڈی

لیکچرار اُردو، غازی یونی ورسٹی، ڈیرہ غازی خان

A Study of the 1965 war situation in Ghulam-ul-Saqlain Naqvi's fictional collection "Naghma Aur Aag"

Atiq-Ur-Rehman
Ph.D Scholar (Urdu)
Ghazi University, Dera Ghazi Khan

Muhammad Said Ali, PhD
Lecturer in Urdu
Ghazi University, Dera Ghazi Khan

Abstract

Ghulam-ul-Saqlain Naqvi is a well-known writer of Urdu. The 1965 war took place before the eyes of Ghulam-ul- Saqlain Naqvi, so those impressions could never be erased from his mind and he had a desire in his heart to write something about this war. The collection of short stories "Naghma Aur Aag" published in 1972, which consists of seven stories, all of which are about the 1965 war. The special thing about these stories is that instead of generals and colonels, ordinary soldiers are presented as "Heroes''. His stories exude love and loyalty to the homeland, but at the same time, the smell of hatred for war is also seen.

Keywords:

Pakistan, Naghma Aur Aag, Heroes, War 1965, Tashkent Declaration, Patriotism, Martyrdom

اردو نثر کے فروغ میں جدید نثر نگاروں کے کردار کی اہمیت اور ان کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ انھی کی بدولت اردو ادب کے سرمائے میں گراں قدر اضافہ ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اردو ادب کا شمار آج دنیا کی چند بڑی اور صفِ اول کی زبانوں کے ادب میں ہوتا ہے۔ بیسویں صدی کے نصف آخر میں متعدد ادباء جلوہ گر ہوئے جنھوں نے اپنے فن کا لوہا منوایا اور کامیاب ہوئے۔ اردو نثر بالخصوص ناول اور افسانے کو عروج بخشنے والی معروف شخصیات میں سے ایک غلام الثقلین نقوی ہیں۔ وہ ایسے چند معروف لکھاریوں میں سے ہیں جو اپنے کمالِ فن کے سبب اردو ادب میں منفرد حیثیت رکھتے ہیں۔

غُلام الثقلین نَقوی ۱۲، مارچ ۱۹۲۲ء کو ریاست جموں و کشمیر کے ایک گاؤں "چوکی ہنڈن" میں پیدا ہوئے۔ آباؤ اجداد کا مسکن پاکستان کے شہر سیالکوٹ میں واقع ایک "بھڑتھ" نامی گاؤں تھا۔ ۱۹۲۵ء میں جب وہ لگ بھگ تین سال کے تھے، ان کے والد سید امیر شاہ نے ہجرت کی اور اپنے آباؤ اجداد کے مسکن یعنی "بھڑتھ" (سیالکوٹ) میں آ بسے۔ ابتدائی چار جماعتیں انھوں نے اسی گاؤں کے ایک پرائمری سکول سے پڑھیں، جماعت پنجم سے ہفتم تک سکاچ مشن ہائی سکول سیالکوٹ چھاؤنی سے تعلیم حاصل کی۔ مڈل اور میٹرک دیپال پور کے ایک ہائی سکول سے کیا۔ انٹرمیڈیٹ (ایف اے) مرے کالج سیالکوٹ اور بی اے اور ایم اے اردو کا امتحان پرائیویٹ امیدوار کے طور پر دیا۔ بی اے اور ایم اے کے دوران انھوں نے سات ماہ کی ٹریننگ کے بعد بی ایڈ کا سرٹیفکیٹ بھی حاصل کیا۔ دورانِ تعلیم غلام الثقلین نقوی نے مختلف اداروں میں ملازمتیں کیں اور آخر کار ۱۹۸۳ء میں سروس کی مدت پوری ہونے پر گورنمنٹ کالج لاہور سے بطور اسسٹنٹ پروفیسر اردو ریٹائر ہوئے۔

اردو کے جن ادباء نے اپنے افسانوں میں ۱۹۶۵ء کی جنگ اور اس کے متعلقات کی پیش کش کی ہے، ان میں غلام الثقلین نقوی کا نام بھی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے علاوہ دیہات نگاری پر خاصی دسترس رکھتے ہیں۔ انھوں نے اپنی کہانیوں میں پاکستان کے صوبہ پنجاب میں بسے عام لوگوں کسانوں کے مسائل اور ان کے استحصال کو بیان کیا ہے۔ انھوں نے اپنی باقاعدہ ادبی زندگی کا آغاز افسانہ نگاری سے کیا۔ پہلا افسانوی مجموعہ ۱۹۶۶ء میں "بند گلی" کے نام سے شائع ہوا جس میں بارہ افسانے شامل ہیں۔ بعد ازاں "شفق کے سائے" (تیرہ افسانے)، "نغمہ اور آگ" (سات افسانے)، "لمحے کی دیوار" (آٹھ افسانے)، "دھوپ کا سایہ" (تیرہ افسانے)، "سرگوشی" (بیس افسانے) اور "نقطے سے نقطے تک" (چودہ افسانے) منظرِ عام آئے۔

غلام الثقلین نقوی کا پہلا اور آخری ناول "میرا گاؤں" ۱۹۸۱ء میں شائع ہوا۔ ایک ناول انھوں نے "بکھری راہیں" کے عنوان سے لکھا تھا جو نہ شائع ہو سکا اور نہ اس کا سراغ مل سکا۔ ناول کے علاوہ ان کے تین ناولٹ "چاند پور کی نینا"، "شمیرا" اور "شیر زمان" جو ۱۹۹۹ء میں "تین ناولٹ" کے عنوان سے

شائع ہوئے۔ اول الذکر ناولٹ میں دیہات کی خوشبو اور رومانویت کے اثرات ملتے ہیں۔ دوسرا ناولٹ سرمایہ دارانہ اور جاگیر دارانہ نظام سمیت ایک معلم کی کہانی کو بیان کرتا ہے جو ایک سادہ اور شریف انسان ہے۔ مؤخر الذکر کشمیر اور اس کے محاربانہ حالات وواقعات کی داستان ہے۔

افسانوی نثر کے علاوہ غیر افسانوی نثر میں بھی غلام الثقلین نقوی اپنا تعارف آپ ہیں۔ ۱۹۹۳ء میں ان کا پہلا سفر نامہ "چل بابا اگلے شہر" منظرِ عام پر آیا، جو لندن اور گردونواح کے ماحول اور وہاں بسے یورپی اور ایشیائی لوگوں کی حالات کشی کرتا ہے۔ ۱۹۸۵ء میں غلام الثقلین نقوی کو سفر حجاز اور عمرہ کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس عمرے اور سفر سعید کے حالات وواقعات کو انھوں نے اپنی دوسری سفری کتاب" ارضِ تمنا" میں بیان کیا ہے۔ "ٹرمینس سے ٹرمینس تک" اندرونِ پاکستان کی دریافت وبازیافت ہے جو تین سفر ناموں پر مشتمل ہے۔ "اِک طُرفہ تماشا ہے" آٹھ مضامین پر مشتمل کتاب، غلام الثقلین نقوی کی مضمون نگاری کے فن کو اجاگر کرتی ہے۔ مختلف موضوعات کو سمیٹے یہ مضامین ہلکے پھلکے مزاحیہ اور طنزیہ مزاج کے حامل ہیں۔ وہ روزنامہ "نوائے وقت" میں کالم بھی لکھتے رہے جو "پانچواں طبقہ" کے نام سے کتابی شکل میں آچکے ہیں۔

۱۹۶۵ء کی جنگ پاکستان کا اہم تاریخی واقعہ ہے۔ جس پر اب تک بہت کچھ لکھا جاچکا ہے۔ پاکستان اور بھارت کے مابین ہونے والی یہ پہلی بین الاقوامی جنگ جس میں بھارت نے امن کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پاکستان کی سرحد پار کر کے اس صورت حال کو جنم دیا۔ ٦ ستمبر ۱۹۶۵ء کو جنگ کا آغاز ہوا۔ دونوں ملکوں کے درمیان جھڑپوں کا آغاز ایک ماہ قبل ہی ہو چکا تھا جس کا انجام جنگ کی صورت میں سامنے آیا۔ شاہد مختار لکھتے ہیں:

> "٦ ستمبر ۱۹۶۵ء پیر کی رات کے آخری پہر بھارت اور پاک فوج کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ ریڈیو پاکستان کے ذریعے نیوز رپورٹر شکیل احمد نے جنگ سے آگاہ کیا۔ پاکستان کے صدر اور فیلڈ مارشل ایوب خان نے کہا کہ "لا الہ الا اللہ" کا ورد جاری رکھتے ہوئے ہوئے دشمن کو نیست ونابود کر دو" اس معرکہ میں پاکستانی افواج کے کمانڈر انچیف جنرل محمد موسیٰ تھے۔ مرکزی دارالحکومت میں ہوائی حملے کا پہلا سائرن ۷ ستمبر کی شام کو سوا سات بجے بجایا گیا۔"(۱)

لیکن در حقیقت یہ جنگ ٦ ستمبر سے پہلے ہی چھڑ چکی تھی۔ جس میں کشمیر کو آزاد کروانے کا معاملہ سرِ فہرست تھا۔ اور یہ ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کا سبب بنا۔ اس سلسلے میں عقیل عباس جعفری اپنی ایک تحقیقی رپورٹ میں لکھتے ہیں:

> ”بظاہر یہ جنگ ۶ ستمبر ۱۹۶۵ کو شروع ہوئی جب انڈیا نے پاکستان پر حملہ کرنے کے لیے بین الاقوامی سرحد عبور کی مگر مؤرخین کے مطابق یہ جنگ ۲۶ اپریل ۱۹۶۵ کو شروع ہوئی تھی جب پاکستانی فوج نے رن کچھ کے علاقے میں کنجر کوٹ اور بیار بیٹ پر قبضہ کیا تھا۔۔۔جولائی ۱۹۶۵ء میں پاکستان کے زیرِ انتظام کشمیر اور پاکستان کی مسلح افواج نے انڈیا کے زیرِ انتظام کشمیر کو انڈیا سے آزاد کروانے کے لیے ایک گوریلا آپریشن شروع کیا جسے ” آپریشن جبرالٹر “ کانام دیا گیا۔“(۲)

جنگ کے وقت پاکستان کے صدر ایوب خان تھے اور فوج کی کمان جنرل محمد موسیٰ خان نے سنبھال رکھی تھی۔ جب کہ بھارت کے صدر رادھا کرشن، وزیر اعظم لال بہادر شاستری اور آرمی کے سربراہ جویانتو ناتھ چودھری تھے۔پاکستان نے بھارت کے تقریباً ۱۶۲۰ مربع میل کے رقبہ پر ملکیت جمائی جب کہ بھارت پاکستان کے صرف ساڑھے چار سو کے قریب مربع میل زمینی ٹکڑے پر قابض ہو سکا۔ مشرقی پنجاب کو مالی حوالے سے لگ بھگ ۱۵ کروڑ کا نقصان اٹھانا پڑا۔ اُس وقت کی غیر حتمی رپورٹ کے مطابق پاکستان افواج میں ۳۸۰۰ شہادتیں ہوئیں جبکہ بھارت کے ۹۰۰۰ کے قریب افراد ہلاک ہوئے۔ علاوہ ازیں دونوں طرف کے ہوائی جہازوں اور ٹینکوں کی واہی تباہی ہوئی۔ بھارت کے ۵۱۶ کے قریب ٹینک تباہ ہوئے اور پاکستان کے ۳۵ ٹینک۔ بھارتی فضائیہ کے تقریباً ۱۱۵ اور پاکستان کے صرف ۱۰ طیارے تباہ ہوئے۔ پاک فضائیہ نے بھی اپنے فرائض احسن طریقے سے انجام دیے۔ اس ہوائی فوج کے چیف نور خان تھے جنھوں نے اپنی قابلیتوں اور صلاحیتوں بہترین حکمتِ عملی اپنائی اور اپنے جوانوں کے حوصلے بلند رکھے۔

> ”یہ کاک پٹ سے جارحانہ قیادت ایک انداز تھا۔ نور خان کو ۱۹۶۵ء کی جنگ کے دوران ائیر مارشل بنا دیا گیا۔ انہوں نے اپنے پائلٹوں کے لیے قابلِ تقلید نئے معیار قائم کرنے کی کوشش کرتے ہوئے پاک فضائیہ کے لیے سخت جارحانہ حربی حکمت عملی کی بنیاد رکھی اور اسی کے مطابق پاک فضائیہ کا حوصلہ بلند کیا۔ یہ اہم کارہائے نمایاں خطرات سے مبرّا نہ تھے۔۔۔ان کی قیادت کے بغیر پاکستان کا محفوظ رہنا ایک امر محال تھا۔“(۳)

اس جنگ میں پاکستان کے معروف ہیروز شامل تھے۔ جن میں ایم ایم عالم، حکیم اللہ، عباس مرزا، یونس شہید، سرفراز رفیقی پاک فضائیہ سے اور میجر عزیز بھٹی شہید، بریگیڈیر شامی اور نصیر اللہ بابر بری فوج سے تھے۔ نیوی فوج کے احسان ناگی بھی اس جنگ میں شہید ہوئے تھے۔ ۲۳ ستمبر کو اس وقت کی دنیا کے عظیم قوتوں نے جنگ بند کروادی۔ اُن کے خیال میں اگر یہ جنگ جاری رہتی تو کئی بین الاقوامی قوتیں بھی اس جنگ میں شامل ہو جاتیں اور اب وہ جنگ عظیم سوم کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔ ۲۳ ستمبر کو جنگ بندی کے بعد ۱۰ جنوری ۱۹۶۶ء میں پاکستان اور بھارت کے مابین امن معاہدہ ہوا جسے ”معاہدۂ تاشقند“ کہتے ہیں۔

"نغمہ اور آگ" غلام الثقلین نقوی کا تیسرا افسانوی مجموعہ ہے۔ یہ مجموعہ ۱۹۷۲ء میں مکتبہ عالیہ لاہور سے شائع ہوا۔ افسانہ نگار نے "چند لفظ اور" کے عنوان سے اس کا پیش لفظ لکھا ہے۔ ایک سو ساٹھ صفحات اور سات افسانوں پر مشتمل ہے۔

زیرِ نظر مجموعے میں شامل افسانوں کا تعلق ۱۹۶۵ء کی جنگ سے ہے۔ یہ تمام افسانے اسی جنگی پس منظر میں لکھے گئے ہیں۔ زمانۂ تخلیق بھی قریب قریب وہی ہے البتہ افسانوں کی اشاعت میں سات سال لگ گئے اور ۱۹۷۲ میں یہ افسانے زیورِ طبع سے آراستہ ہوئے۔ پہلا افسانہ بھی ستمبر ۱۹۶۵ء میں لکھا گیا۔

وطن سے محبت ایک فطری عمل ہے۔ وطن انسان کو رہنے کی جگہ مہیا کرتا ہے، رزق مہیا کرتا ہے۔ اس کو چھت دیتا ہے۔ اس کی حفاظت کرتا ہے۔ انسان مٹی کا پیکر ہے۔ مٹی سے بنتا ہے پھر اس مٹی میں اسی دھرتی میں دفن ہوتا ہے، اس لیے اسے "دھرتی ماں" کہا جاتا ہے ۔ "نغمہ اور آگ" کے افسانوں میں ستمبر ۱۹۶۵ء کے جنگی حالات وواقعات کے پس منظر میں وطن سے محبت اور جذبۂ سرشاری نظر آتا ہے۔

وطن کی زندگی سر فروشی کے جذبے کے دم پر ہے۔ پاک فوج اس کی عملی مثال ہے۔ پاکستان کے جری سپاہیوں نے اپنے خون سے تاریخ رقم کی ہے۔ مصنف نے ایسی کچھ داستانوں کو اپنے افسانوں میں محفوظ کر دیا ہے۔ اور بقول مصنف یہی افسانے اُس کی زندگی کا سرمایہ ہیں۔ "نغمہ اور آگ" کے افسانے مشرقی پاکستان سے بھی جُڑے ہوئے ہیں۔ اس مجموعے کا ہر افسانہ ایک عام سپاہی کی کہانی کو بیان کرتا ہے۔ یہ عام سپاہی کسی افسانے میں شہادت کا جام نوش کرتا دکھائی دیتا ہے تو کہیں غازی بن کر قاری کے سامنے آتا ہے۔ مصنف کے نزدیک جرنیلوں کرنیلوں کی نسبت ایک عام سپاہی زیادہ خاص ہے اور یہی ان افسانوں کی خاص بات ہے۔ مصنف دیباچے میں لکھتے ہیں:

> "اس مجموعے کا ہر افسانہ ایک عام سپاہی کا افسانہ ہے۔ میری رسائی صرف انہی تک تھی۔ میں انہیں جانتا اور پہچانتا ہوں۔ تاریخ صرف جرنیلوں کے کارناموں کو یاد رکھتی ہے، وہ سپاہی کو بھول جاتی ہے۔ افسانے میں سپاہی کی اہمیت زیادہ ہے۔ افسانہ اسی کے کارنامے سے وجود میں آتا ہے۔"(۴)

"نغمہ اور آگ" کے تمام افسانے افواج پاکستان کی بہادری جرات، غیرت اور عزم و ہمت کو سامنے لاتے ہیں۔ افسانہ "کافوری شمع" کا شیر بہادر اس کی بہترین مثال ہے۔ شیر بہادر ایک بہادر ماں کا بیٹا ہے اور سرزمینِ پاکستان کا غیرت مند سپاہی ہے۔ دشمن کے کسی حملے کی اُسے ذرا پروا نہیں۔ حوالدار شیر بہادر اور صوبیدار کی گفتگو اس بات کی روشن دلیل ہے:

> "حوالدار شیر بہادر"؟ صوبے دار صاحب بولے
> "یس سر۔" وہ اٹن شن ہو گیا۔

"تم رات بھر سے جاگ رہے ہو۔"

"یس سر"

"تم تھک گئے ہو۔"

"نہیں جناب۔"

"مجھے اپنے جوانوں پر بڑا فخر ہے۔ تم نے اپنے سینوں پر دشمن کا ہلہ روک دیا ہے۔"

"سب اللہ کا فضل ہے صاحب!" شیر بہادر نے یقین محکم کے ساتھ جواب دیا "جوان! ابھی ابھی اطلاع ملی ہے کہ دشمن پھر سخت حملہ کر رہا ہے۔ اس کے سینکڑوں ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں حرکت میں آ رہی ہیں۔"

"صاحب!" شیر بہادر نے سینہ تان کر کہا۔ "ادھر ہر جوان کا سینہ آہنی دیوار ہے۔ یہ ٹینک میرے سینے پر سے گزر کر ہی آگے بڑھ سکتے ہیں۔"(۵)

شیر بہادر کا مورچہ تمام مورچوں میں سب سے آگے تھا یعنی دشمن کے بالکل قریب۔ یہ مورچہ وطن کی ڈھال تھا۔ دو دن مسلسل دشمنوں نے اس پر گولیاں برسائیں، گولے پھینکے، مشین گنیں چلائیں لیکن اس کا قدم ذرا سا بھی نہ سرک پایا۔ دشمن کے اچانک حملے کی جب خبر ملتی ہے تو یہی مورچہ پیش قدمی کرتا ہے۔ دشمن کے اچانک حملے پر شیر بہادر کا مٹھی بھر ٹولہ اُسے محبوب وطن کی طرف بڑھنے سے روک لیتا ہے ۔ دشمن ٹینکوں کی مدد سے چڑھائی کرتا ہے۔ شیر بہادر بھی انھیں روکنے کے لیے پر عزم ہے۔ شیر بہادر اور باقی فوجی سپاہی گرنیڈ سے دشمن کے ٹینکوں کا استقبال کرتے ہیں۔ اپنی جان کی قربانی دے کر وہ دشمن کے ناپاک ارادوں کو خاک میں ملا دیتے ہیں ۔ شیر بہادر اور اُس کے ساتھی جامِ شہادت نوش کرتے اور اپنی غیرت اور ہمت کی داستان چھوڑ جاتے ہیں:

"مگر حوالدار شیر بہادر کے مورچے سے ایک ٹینک بھی اگے نہ بڑھ سکا۔ ایک بھی نہیں۔۔۔ اور پھر دھوئیں کا بادل گہرا ہو کر ساری کائنات پر محیط ہو گیا۔ اور شیر بہادر کے گاؤں میں دھوپ اور بھی نکھر گئی۔۔۔ یہ کہتے کہتے ان کی آنکھوں کے سامنے دھند چھا گئی۔ ایک کافوری دھند، اور کافوری دھند میں ایک ہیولے کی تشکیل ہوئی اور ہیولے کے نقوش واضح ہوئے تو ایک چہرے نے مسکرا کر کہا۔ "ماں! میں شیر بہادر ہوں۔ میں نے تیرے دودھ کی لاج رکھ لی نا؟"

"ہاں بیٹے تو سرخرو ہوا، اور میری محنت بھی رنگ لائی۔"

۔۔۔ ماسی نے دھیمے سے کہا "اناللہ وانا الیہ راجعون" اور وہ سجدے میں گر گئیں۔"(۶)

افسانہ "ڈیک کے کنارے" میں افضل خان جمعدار اگرچہ کہانی کا سپاہی ہیرو ہے تاہم اس کے ساتھ ساتھ علی محمد کا کردار بھی خاصہ اہم ہے۔ علی محمد کا بیٹا رحم علی بھی بطور سپاہی اس افسانے میں سامنے آتا

ہے۔ اس میں پاکستان کے لوگ جو بھارتی فوج کے قبضے میں ہیں، کو چھڑوانے اور انھیں بہ حفاظت پاک فوج تک پہنچانے میں کس قسم کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس پر مصنف نے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ رحم علی ایک نوجوان بہادر سپاہی ہے۔ یہ ان سپاہیوں میں سے ہے جو وطن کی آن بان شان کے لیے جان کی قربانی دینے سے دریغ نہیں کرتے۔ جمعدار افضل خان کو بیٹی سے زیادہ وطن سے محبت ہے۔ وہ بیٹی علی محمد کو سونپ دیتاہے اور خود فرائض کی انجام دہی میں مصروفِ عمل ہو جاتا ہے۔

افسانہ ”سبز پوش“ ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ کے دوران، مصنف کے دورانِ سفر کے تجربات و مشاہدات کو سامنے لاتا ہے۔ اس دوران انھیں شاہدرہ گاؤں سے سنٹرل ٹریننگ کالج تک سفر کرنا پڑتا تھا۔ اور ہر روز دو مرتبہ راوی کے پُل پر سے اُن کا گزر ہوتا تھا۔ دراصل ”راوی کا پُل“ اور ”سبز پوش“ مصنف نے علامت کے طور پر پیش کیے ہیں۔ اس حوالے سے وہ خود لکھتے ہیں:

> ”میں نے پُل پر لگی اینٹی ایئر کرافٹ توپوں کی گھن گرج بھی سنی اور یہیں ”سبز پوش“ کا بیج میری کشتِ دل میں پڑا۔ بعد ازاں جب جنگ کی تفصیل معلوم ہوئی تو یہ بیج پھوٹا اور تناور درخت بن گیا مذکورہ کہانی میں ”پُل“ اور ”سبز پوش“ میں نے علامت بنا کر پیش کیے ہیں۔ میرا ماننا ہے کہ آدمی اپنا سبز پوش آپ ہوتا ہے۔ کرشمے اور معجزے اس کے اپنی ذات اور عقیدہ و ایمان سے جنم لیتے ہیں۔ اور میرا عقیدہ ہے کہ اب بھی جب مایوسی کے بادل چھٹیں گے تو ہم اپنے اندر کے ”سبز پوش“ کو ضرور دریافت کر لیں گے۔“ (۷)

افسانہ ”سبز پوش“ دراصل ”جوشن کلاں“، ”ماتا روٹی دو“، ”راکٹ لانچر“ اور ”سبز پوش“ کے عنوان سے چار حصوں پر مشتمل ہے۔ ”جوشن کلاں“ میں اللہ بخش نامی ایک فوجی ہے۔ ”جوشن کلاں“ ایک گاؤں کا نام ہے۔ اللہ بخش ایک بہادر فوجی ہے۔ ”ماتا روٹی دو“ میں دشمن فوجی کو اللہ بخش کی ماں روٹی پیش کرتی ہے۔ ”راکٹ لانچر“ میں اللہ بخش کی بدولت پاک فوج کا قیمتی راکٹ لانچر محفوظ رہتا ہے۔ اللہ بخش جان کی بازی لگا کر راکٹ لانچر کی حفاظت کرتا ہے کیوں کہ اس لانچر کے بغیر پاک فوج دشمن کا سامنا نہ کر پاتی۔ ”سبز پوش“ میں ایک سبز پوش اللہ بخش کے بے جان جسم میں صور پھونکتا ہے۔ سبز پوش اُسے جھنجھوڑ کر اٹھاتا ہے اور جوش اور ولولہ پیدا کر کے اُسے پھر سے زندگی کی شاہراہ پر لا کھڑا کرتا ہے۔ یہ سبز پوش دراصل اُس کا اپنا نفس تھا۔ جو اُسے ہمت دے رہا تھا۔ مصنف کے نزدیک ہر انسان کے اندر اُس کا ایک سبز پوش بستا ہے جو اُسے مایوسی اور تاریکی سے نکال کر اُسے زندگی میں واپس لاتا ہے۔ دراصل یہ اُمید، ہمت اور عزم کے موضوع پر لکھا گیا افسانہ ہے جو ایک زندہ لاش میں دوبارہ روح پھونکنے کا کام کرتا ہے۔

”جلی مٹی کی خوشبو“ اس مجموعے کے عمدہ افسانوں میں سے ہے۔ یہ افسانہ جنگ کے بعد پیدا ہونے والی صورت حال کو سامنے لاتا ہے۔ ساتھ ساتھ فلیش بیک میں مصنف جنگی مناظر بھی پیش کرتا جاتا

ہے اور پھر جنگ کے بعد کے ماحول کی عکاسی بھی کرتا جاتا ہے۔ ”جلی مٹی کی خوشبو“ کا بے نام کردار جنگی صورت حال سے تنگ اور پریشان دکھائی دیتا ہے۔ سوتے میں جب اچانک سے ہونے والے دھماکے کی آواز اُس کے کانوں تک پہنچتی ہے تو وہ یہ دیکھ کر گھبرا جاتا ہے کہ جنگ شروع ہو گئی ہے۔ اُس کا گاؤں سرحدی گاؤں تھا جہاں سے دشمن نے گھسنے کی کوشش کی تھی اور گھس بھی گئے تھے۔ اس جنگی صورت حال میں وہ حواس باختہ ہو گیا تھا۔ سب کو اپنی جان بچانے کے لیے بھاگنا تھا۔ ایسے میں وہ اپنی بیوی اور بچوں کو لے کر نکلتا ہے۔ اُسے دُکھ ہے کہ وہ گورے، لاکھے اور بھوری کو اپنے ساتھ نہ لے جا سکا اور انھیں دشمنوں کے حوالے کر دیا تھا۔ بیوی بچوں کو محفوظ مقام پر منتقل کرنے کے بعد وہ واپس اپنے گاؤں جاتا ہے۔ جنگ ابھی جاری ہے۔ گولیاں برس رہی ہیں، توپیں گرج رہی ہیں، ٹینک دھاڑ رہے ہیں۔ جنگی ہوائی جہاز آسمان سے بارود برسا رہے ہیں لیکن وہ بے خوف و خطر بچتا، چُھپتا اپنے گاؤں پہنچ کر بھوری کو آزاد کرتا ہے اور واپس بیوی بچوں کے پاس چلا جاتا ہے۔ پھر ایک دن جنگ بندی کا سنتے ہی اُس کے بازو کی مچھلیاں پھڑک اٹھتی ہیں کیوں کہ بنیادی طور پر وہ کسان ہے۔ محنت کرنا اس کی فطرت میں رَچ بس چکا ہے۔ اب وہ واپس اپنے گاؤں کی راہ لیتا ہے وہاں پہنچ کر دیکھتا ہے تو ہر طرف تباہی و بربادی کے مناظر ہیں۔ گھروں کے گھر ملبے کا ڈھیر بن گئے ہیں کھیت کھلیان ٹینکوں کے چلنے کی وجہ سے روندے جا چکے ہیں۔ سڑکوں پر بڑے بڑے گڑھے پڑ چکے ہیں۔ بارود کے جلنے کی وجہ سے دھرتی کی مٹی سے بھی جلنے کی بُو آنے لگتی ہے جیسے دھرتی کی ساری مٹی جل گئی ہو اور جیسے یہاں پر خُدا کا کوئی عذاب آیا ہو۔ جنگ کے بعد جنم لینے والے ان حالات و واقعات کو مصنف اپنے افسانے میں یوں اُجاگر کیا ہے :

> ”اس کا گاؤں بربادی کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔ ہر طرف ملبے کا ڈھیر تھا۔ گھروں کی دیواریں جلنے اور دھوؤں کے تازے نشانات پیش کر رہی تھیں۔ وہ اپنے جلے ہوئے مکان کے سامنے چند لمحوں کے لیے رکا۔ پھر ویرانی منہ پھاڑ کر دوڑی تو وہ ڈر کر کھلے کھیتوں کی طرف بھاگ نکلا۔ کھیت دھول اور گرد سے اٹے ہوئے تھے۔ درختوں پر جیسے کلہاڑوں کی ضربیں لگی ہوئی ہوں۔۔۔ پھر وہ ڈھارئی کی پشت پر کے کھیت میں چلا گیا۔ کھیت کی مٹی کا رنگ کالا پڑ چکا تھا۔ اس نے مٹی کو ہاتھ میں لیا اور اسے سُونگھا۔ مٹی سے بارُود کی بُو ابھی تک آ رہی تھی۔ اس نے مٹی کو پھینک کر سوچا” مٹی راکھ بن گئی ہے۔ راکھ سے کوئی شَے جنم نہیں لیتی۔“(۸)

محولہ بالا اقتباس سے واضح ہے کہ مصنف جنگ کے حق میں نہیں ہے۔ اور وہ جنگ سے مُتنفّر دکھائی دیتا ہے۔ انور سدید لکھتے ہیں:

> ”غُلام الثقلین نَقوی کا اَفسانہ ”جلی مٹی کی خُوشبو “ سے واضح ہے کہ مصنف جنگ کے بالکل خلاف ہے۔ اسے جنگ پسند نہیں۔ وہ جانتا ہے کہ اس کے بعد کیا کیا نقصانات ہوتے ہیں اور

کس کس کو اس کی سزا بھگتنا پڑتی ہے۔بارود کے جلنے سے زمین جل کر راکھ ہو جاتی ہے۔زرخیز زمینیں بنجر زمینوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔"(۹)

"جلی مٹی کی خوشبو" جنگ سے نفرت ابھارنے کے ساتھ ساتھ اُمید کی کرن دکھاتا ہے۔افسانے سے لیے گئے مذکورہ بالا طویل اقتباس میں یہ بات واضح ہے۔کہ سخت سے سخت حالات کے باوجود بھی زندگی کو دوبارہ سے جیا جا سکتا ہے۔انور سدید مزید لکھتے ہیں:

"جنگ سے سہمے ہوئے اس کردار کو جب اس کی دھرتی اپنی طرف بلاتی ہے تو وارفتگی کا ایک بے عنوان جذبہ اس کی رگ وپے میں سرایت کر جاتا ہے۔اور اسے اطراف وجوانب میں ہر طرف ایک نئی تخلیق،ایک نئی تعمیر اہ بھرتی ہوئی نظر آتی ہے۔۔۔یہ اس کسان کی کہانی ہے جو اپنی زمین کی جلی ہوئی جنّت کو بازیافت کرتا ہے اور اس کے تخلیقی جوہر کو دوبارہ نکھار دیتا ہے۔"(۱۰)

"سپاہی کی ڈائری" اس مجموعے کا ساتواں اور آخری افسانہ ہے جو دیگر افسانوں سے قدرے طویل ہے۔حوالدار رحمت خاں کی زبانی اس افسانے میں سپاہی اختر علی اختر کی زندگی کے جنگی حالات وواقعات کو اُس کی ڈائری کے ذریعے بیان کیا گیا ہے۔سپاہی اختر جسے ہر وقت فارغ اوقات میں کچھ نہ کچھ لکھنے کا شوق تھا۔بازار سے ایک ڈائری خریدتا ہے اور اس میں روزانہ کے حالات وواقعات تاریخ وار قلم بند کرتا جاتا ہے۔افسانے میں اختر کے حالات اس کی ڈائری کے ذریعے سامنے آتے ہیں جو حوالدار رحمت خاں کے پاس محفوظ رہ جاتی ہے۔یہ افسانہ سپاہی اختر کی بہادری کو سامنے لاتا ہے۔اس کی فرض شناسی اور فرض کی ادائیگی کو سامنے لاتا ہے۔اس افسانے میں غیرت اور عزت پر مَر مٹنے کے واقعات سامنے آتے ہیں۔اس میں دُکھ، درد اور کرب واضح ہے۔اختر اپنی منہ بولی بہن رام پیاری اور اپنی منگیتر حمیداں اور گاؤں کی باقی نوجوان لڑکیاں جنھیں دشمن فوجی اغواء کر لیتے ہیں۔وہ چُھپتا چُھپاتا دشمن کے اُس ٹھکانے تک پہنچ جاتا ہے جہاں وہ خواتین قید ہوتی ہیں۔اختر باقی خواتین کو تو آزاد کروانے میں کامیاب ہو جاتا ہے مگر رام پیاری اور حمیداں کو دشمن کے نرغے سے نکالنے میں ناکام رہتا ہے۔اور ان حالات میں اُسے کندھے سے نیچے گولی لگتی ہے۔دائیاں پھیپھڑا زخمی ہو جاتا ہے۔ہسپتال داخل ہو جاتا ہے۔اس کی حمیداں اُس کے خط کا انتظار کرتی کرتی پاگل پن کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔لیکن سپاہی اختر اب وہاں چلا جاتا ہے جہاں سے اُسے خط بھیجنے کی اجازت نہیں ہے۔یہ افسانہ غم کی کیفیت کو ابھارتا ہے۔رام پیاری کا اپنی جان گنوا دینا۔حمیداں کا پاگل ہو جانا۔اختر کا حمیداں اور باقی لڑکیوں کو بچانے کے چکر میں زخمی ہو کر ہسپتال پہنچنا اور پھر جہانِ فانی سے رخصت ہو جانا۔ایسے ہی معاملات ہیں جن سے دردمندی اجاگر ہوتی ہے۔

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو غلام الثقلین نقوی کے مجموعہ ” نغمہ اور آگ“ کے افسانوں میں ۱۹۶۵ء کی جنگ کے حالات وواقعات واضح طور پر بیان کیے گئے ہیں۔ ان افسانوں میں ایک طرف وطن سے محبت، جذبۂ شہادت، جذبۂ سرفروشی، ملک ووطن کی خاطر ایثار و قربانی، گھر بار بیوی بچوں سے زیادہ سرزمینِ پاک کو مقدم جاننا، جیسے پہلو سامنے آتے ہیں تو دوسری طرف جنگ کے خلاف نفرت بھی ابھر کر سامنے آتی ہے۔ دراصل جنگ کو لے کر مصنف کا دہرا پن یہاں سامنے آتا ہے۔ وہ ایک طرف سپاہی شیر بہادر، افضل خان جمعدار، سپاہی رحم علی، سپاہی اللہ بخش اور سپاہی اختر کی شجاعت پر نازاں ہے تو دوسری طرف ”جلی مٹی کی خوشبو“ کے بے نام کردار کے ذریعے جنگ سے نفرت کا اظہار کرتا ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) شاہد مختار، قائداعظم سے پرویز مشرف تک، (لاہور: شاہد پبلیکیشنز، سن ندارد)، ۱۲۲۔

(۲) جعفری، عقیل عباس، www.bbc.com، ۲۰ ستمبر ۲۰۲۰ء، کراچی

(۳) جان فریکر، مترجم: لطیف احمد خان، جنگِ پاکستان ۱۹۶۵ء کا فضائی معرکہ، (کراچی: الامین پبلی کیشنز، سن ندارد)، ۸-۹۔

(۴) غلام الثقلین نقوی، نغمہ اور آگ، (لاہور: مکتبۂ عالیہ، ۱۹۷۲ء)، ۷۔

(۵) ایضاً، ۱۸-۱۹۔ (۶) ایضاً، ۲۸۔

(۷) ایضاً، ۸۔ (۸) ایضاً، ۱۱۸-۱۱۹۔

(۹) انور سدید، ڈاکٹر، غلام الثقلین نقوی: شخصیت اور فن، (اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۱۰ء)، ۹۱۔

(۱۰) ایضاً، ۸۰- ۸۱۔

References

(1) Shahid Mukhtar, *Quaid-E-Azam Say Parvez Musharraf Tak*, Lahore: Shahid Publications, ND, Page 122
(2) Jafri, Aqeel Abbas, *www.bbc.com*, September 20th, 2020
(3) John Freaker, (Trans.) *Latif Ahmad Khan*, Jang-E-Pakistan 1965 Ka Fazai Maarka, Karachi: Al-Amin Publications, ND, Page 8-9
(4) Ghulam-ul-Saqlain Naqvi, *Naghma Aur Aag*, Lahore: Maktaba-E-Aliya, 1972, Page 7
(5) ibid, p18-19 (6) ibid, page 28
(7) ibid, page 7 (8) ibid, Page 118-119
(9) Anwar Sadeed,Dr, *Ghulam-ul-Saqlain Naqvi: Shaksiyat Aur Fun*, Islamabad, Pakistan Academy Of Letters, 2010, Page 91
(10) ibid, Page 80-81

❖❖❖